مفکر احرار چودھری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ　　انتخاب از محبوبِ خدا ﷺ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیّبہ کی ایک جھلک

ناخلف اولاد بسر روزگار یا برسر اقتدار ہو کر غریب ماں باپ سے آنکھ چراتی ہے۔ مگر صاحب زر خاتون کا محبوب خاوند عزیز رشتہ داروں سے مروّت اور ہمسایوں کی امداد میں لگ گیا۔ خصور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب کی مہربانیاں یاد تھیں۔ ایک دفعہ مکہ میں قحط پڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا کی عسرت اور اولاد کی کثرت کا خیال آیا۔ اپنے دوسرے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ قحط سالی ہے اور چچا ابو طالب قلیل المال اور کثیر الاولاد ہیں۔ بہتر ہے کہ ان کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ایک لڑکے کو میں اپنے پاس لے آؤں اور ایک کو آپ اپنے گھر لے جائیں۔ انہوں نے یہ بات پسند فرمائی۔ دونوں ابو طالب کے پاس پہنچے اور اظہار مدعا کیا۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا اور جعفر رضی اللہ عنہ کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت پانچ برس تھی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا یہ تربیت یافتہ بچہ صاحب ذوالفقار اور اعلیٰ درجے کا شہسوار بنا۔ اس نے خیبر شکن بازو اور شیر افگن قوت پائی۔ وہ بلند پایہ فلسفی، اعلیٰ درجہ کا ادیب اور شاعر بنا۔ دنیا میں باب علم او صاحب فضل کہلایا۔ کاش مسلمانوں کی اولاد انہی خصوصیتوں کی حامل ہو!

حضرت علی رضی اللہ عنہ تو خیر مہربان چچا کے بیٹے گویا اپنا ہی گوشت پوست تھے، تم بیگانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسنِ سلوک دیکھو! زید رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام، ایک عیسائی خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بھتیجا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ اس کو کہیں سے خرید لایا اور اپنی پھوپھی کی نذر کیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سونپ دیا۔ یہ غلام گھر میں بچوں کی طرح پرورش پانے لگا۔ یہاں تک کہ اس کے باپ اور چچا اس کی تلاش میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور درخواست کی کہ زید رضی اللہ عنہ کو گھر بھیج دیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بخوشی قبول فرمایا۔ باپ اور چچا زید رضی اللہ عنہ کی آزادی سے باغ باغ ہو گئے۔ مگر زید رضی اللہ عنہ پر اوس سی پڑ گئی۔ اور دونوں کو صاف کہہ دیا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ باپ حیران ہو کر بولا کہ تو آزادی سے غلامی کو پسند کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ بات پائی ہے کہ ماں باپ کو ان پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو مخاطب کر کے کہا۔ ''لوگو! زید رضی اللہ عنہ میرا بیٹا ہے اور میں اس کا باپ''

حارث نے سنا تو خوش خوش گھر چلا آیا۔ یہ چھوٹی سی بات نہ تھی، جو کسی کم ظرف نے جوش میں آ کر کہہ دی اور مزاج اعتدال پر آیا تو بھلا دی ہو۔ بلکہ اس شفیق آقا نے غلام کے ساتھ جو قول کیا وہ عمر بھر نبھایا۔ شادی کے لائق ہوا تو اپنی

پھوپھی کی لڑکی زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کر دیا۔

خدا پر ایمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان تھی۔ کفر اور شرک کی رسموں سے پرہیز گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گھٹی میں پڑا تھا۔ منصب نبوّت پر پہنچنے سے پہلے کا واقعہ ہے کہ قریش نے بتوں کے چڑھاوے کا کھانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کر رکھا، مگر اس موحد برحق نے کھانے سے اجتناب کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نمایاں ہونے اور بڑا بننے کا شوق نہ تھا۔ ہاں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آتا تھا، گرویدہ ہو جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی لہو ولعب، جھوٹ اور فریب سے پاک تھی۔

سیرت کی اس ہلکی سی جلوہ نمائی سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی صحت اور اخلاق میں ممتاز تھے۔ جب جسم اور روح آلائشوں سے پاک ہوتے ہیں تو حسینوں سے حسین خدا کی محبت اجڑی بستی کو بساتی ہے۔ اطمینان بخش ہوائیں عرش کے کنگروں کو بوسہ دے کر آتی ہیں، راحت کا سمند اُمڈا چلا آتا ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ غیروں کی مداخلت کے بغیر اس سرور سے کیف اندوز ہوتا رہے۔ اس لیے وہ ایسے گوشہ عزلت کو پسند کرتا ہے جہاں پتہ نہ ہلے اور پرندہ پر نہ مارے۔ مسرت کے لاسلکی پیغام آسمان سے آتے ہیں۔ دل برکتوں سے معمور ہو جاتا ہے۔ کبھی اضطراب اور غم سے پاک رقت پیدا ہوتی ہے۔ آنکھیں ساون کی جھڑی کی طرح آنسو برساتی ہیں۔ لیکن باوجود اس اشک باری کے دل مسرتوں کا جلوہ زار بنا رہتا ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پینتیس برس کو پہنچی تو خلوت کی کشش بڑھ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو ایک غار میں جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے، جایا کرتے تھے۔ اس غار کا نام حرا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ستو باندھ کر ہمراہ لے جایا کرتے اور جب تک یہ ختم نہ ہو چکتے، وہیں قیام فرماتے۔ ان سکوت زا تنہائیوں کی کیفیتوں کا صحیح علم تو نبی کو ہی ہو سکتا ہے مگر نا چیز اُمتی کا یہ قیاس ہے کہ محولہ بالا کیفیت سے وہ ملتی جلتی کیفیت تھی جو غارِ حرا کی کشش کی باعث تھی۔ اُمتی کو یہ خوشگوار تجربہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کا حسن عمل بارگاہ باری تعالیٰ میں مقبول ٹھہرے تا کہ انسان سمجھ سکے کہ خدا اپنے بندے پر راضی ہو گیا۔ جس کسی کو یہ جانفزا تجربہ ہوتا ہے، وہ نادیدہ خدا کی رویت کے لیے رات کو اس شوق بھرے اضطراب سے اٹھتا ہے جس طرح عاشق وارفتہ کسی پیکر حسن کی محبوبیت کا نظارہ کرنے کے لیے ایک پرشوق تشویش محسوس کر کے جلدی جلدی تیار ہوتا ہے۔ گویا مطلوب ملاقات کے لیے منتظر کھڑا ہے اور اسے دیر ہو گئی تو ڈر ہے کہیں مایوس نہ لوٹ جائے۔ اور جب تمام چیزوں سے خالی الذہن ہو کر اس کے دھیان میں بیٹھتا ہے تو ایسا محسوس کرتا ہے گویا جان جاں کی محبت بھری میٹھی باتیں سنتا ہے، اور بعض اوقات اس کے کام و ذہن ایسی لذت سے لطف اندوز ہوتے ہیں جس کا بیان دائرہ

امکان سے باہر ہے۔ کبھی کبھی وہ تاریکیوں میں نور کی جھلک دیکھتا ہے گویا تیرہ وتار مطلع پر کواکب تاباں ظاہر ہو گئے۔ جب روح اس طرح عالم علوی سے علاقہ پیدا کرتی ہے تو اکثر خطرات سے آگاہی ہوتی ہے اور خوش خبریاں پاتی ہے۔ کبھی رویائے صادقہ اور صاف الہام اس کی رہبری کرتے ہیں۔ بعض اوقات نئی دنیا کی اچھوتی حقیقتیں اس پر کھلتی ہیں۔ علم و یقین کے باب وا ہوتے ہیں۔ انسان خدا کے ساتھ اپنا تعلق یوں استوار پا کر آئندہ لغزشوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ یہاں تک تو پیغمبر اور اُمتی کا حال یکساں ہے۔ اگلی وادی کے سفر کے لیے عام قدم رک جاتے ہیں۔ وہاں صرف پیغمبروں کا گزر ہوسکتا ہے۔ اس سفر کی آخری منزل وہ ہے، جہاں حسن حقیقی پر توفگن ہے۔

وحی:

عرب کا روشن ضمیر آقا غار حرا کی تاریکیوں میں نور کی جھلک دیکھنے لگا۔ اس کے خواب سچے اور الہام صحیح ثابت ہونے لگے۔ پانچ برس تک یہی کیفیت رہی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اور رفعت چاہتی تھی۔ وہ جوہر قابل براہ راست اکتساب علم کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس لیے عمر کے اکتالیسویں سال مطابق ۶۱۰ء اسے منصب حاصل ہوا جس کا اہل اس کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ لیلۃ القدر کی اس سعید ساعت کو خدا کا پیغامبر فرشتہ جبرائیل علیہ السلام دنیا کے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غارِ حرا میں پہلا پیغام لے کر آیا اور کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ [1:96] خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ [2:96] اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ [3:96] الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ [4:96] عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ [5:96]

پڑھ اس خدا کے نام سے جس نے کائنات کو پیدا کیا۔ آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا خدا کریم ہے۔ وہ جس نے انسان کو قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ وہ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اسے معلوم نہ تھیں۔

ثابت بن قیس نے سچ کہا کہ خدا نے اپنے بندوں میں سے بہترین شخص کو انتخاب کیا، جو سب سے زیادہ شریف النسب، سب سے زیادہ راست گفتار اور سب سے زیادہ شریف الاخلاق تھا۔ وہ تمام عالم کا انتخاب تھا۔ اس لیے خدا نے اس پر کتاب نازل فرمائی۔

روایت ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام غارِ حرا میں ظاہر ہوئے تو کہا کہ پڑھ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں پڑھنا تو نہیں جانتا۔ تب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سینے سے لگا کر خوب زور سے دبایا۔ پھر وہی الفاظ دہرائے اور وہی جواب پایا۔ پھر اسی طرح دبایا۔ غرض تیسری مرتبہ جواب سننے کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے وہ پانچ آیتیں پڑھیں۔ اس واقعہ سے بے حد متاثر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر پہنچے۔ رفیقہ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

سے کہا مجھے کمبل اڑھاؤ..... چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کمبل اوڑھا دیا گیا۔ جب کچھ دیر بعد سکون خاطر ہوا تو خدیجہ رضی اللہ عنہا کو غارِ حرا کی سرگزشت من وعن کہہ سنائی اور کہا کہ مجھے تو جان کا خوف ہے۔ بیوی جس کی نظر خاوند کے بلند اخلاق پر تھی، پکار اٹھی کہ یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبارک ہو۔ خدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز رسوا نہ کرے گا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرابت داروں سے حسن سلوک کرتے ہیں۔ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ فقیروں، مسکینوں کی مدد کرتے ہیں۔ مسافروں کی مہمانی کرتے ہیں، اچھے کام کرنے والوں کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مددگار ہیں۔

سیرت کے ایک ایک واقعہ میں دفتر معنی مضمر ہے۔ پیغمبر آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منصب کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والا کوئی مرد نہ تھا بلکہ یہ فخر ایک خاتون کی قسمت میں لکھا تھا تا کہ مومنوں کے منہ پر قفل لگ جائیں اور عورت کو مرد سے ہیٹا نہ کہہ سکیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی ایسی ناقابلِ تردید شہادت پیش کی جس سے ہر مخالف نکتہ چین کی زبان بند ہوگئی۔ اس مومنہ کی فراست کو دیکھو! کیا خوب کہا کہ مخلوق کی خدمت کرنے والے کو خالق رسوا نہیں کرے گا۔ خدمت خلق اور مخلوق سے محبت سچے مذہب کی جان ہے۔ بے شک دوسرے کے کام آنے والوں کو خدا رسوا نہیں کرتا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا چچیرا بھائی ورقہ بن نوفل عربی اور عبرانی زبان کا عالم تھا۔ وہ شرک سے نفور اور دین حق کی تلاش میں رہتا تھا۔ بڑھاپے کی کمزوریوں سے اس کی بینائی جاتی رہی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نابینا بزرگ کے پاس لے گئیں اور کہا: ''اے چچا کے بیٹے! اپنے بھتیجے کا ماجرا سن'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ حرا کا واقعہ سنایا تو ورقہ بن نوفل نے کہا کہ یہ وہی ''ناموس'' ہے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا۔ اے کاش! میں اس وقت تک زندہ رہوں جب کہ تیری قوم تجھے نکال دے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ''کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟'' ہاں۔ جس کو لے کر تم آئے ہو اس کو لے کر کوئی آدمی نہیں آیا جس سے لوگوں نے دشمنی نہ کی ہو۔ اگر میں اس زمانہ تک زندہ رہا تو تمہاری ہر طرح مدد کروں گا۔

افسوس! یہ صاحب ایمان جلد ہی مر گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں وہ سفید لباس میں دکھایا گیا۔ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعبیر کی کہ ورقہ بن نوفل جنتی ہے۔ اگر اس کا مقام دوزخ ہوتا تو جسم پر لباس نہ ہوتا۔ غرض جویائے حق، حق کو پہنچ گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس خوف کا اظہار فرمایا، وہ ان معاملات کی ابتدا اور بشریت کے تقاضے کے باعث تھا۔ کون نہیں جانتا کہ ایک نامعلوم وادی میں پہلا قدم کس قدر جھجک پیدا کرتا ہے۔ اس طبعی ہچکچاہٹ کے ساتھ نئی دنیا کے

مناظر کا ایسی پر ہیبت عظمت کے ساتھ سامنے آنا یعنی غار کی تاریکی میں فرشتے کا زور زور سے بھینچنا سوائے خوف کے کیا کیفیت پیدا کرسکتا ہے۔ بجائے شک کرنے کے خوف وہراس کا یہ مجرد واقعہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی دلیل ہے۔ اگر نبوّت کا دعویٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا من گھڑت افسانہ ہوتا تو یوں خائف گھر نہ آتے۔ بیوی کے سامنے تو بزدل بھی بہادر بننے کی کوشش کرتا ہے۔ بنابریں قلب سلیم تسلیم کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں جھوٹی شہرت چھوڑ اس منصب کی معصوم امنگ بھی نہ تھی۔ نبیوں اور نیکوں کے دل مناصب کے آرزومند نہیں ہوتے، وہ تو آگ کی تلاش میں نکلتے ہیں اور اچانک نورِ حق کو پالیتے ہیں۔ عرب کا یہ یتیم بھی اچانک کونین کا سردار بنادیا گیا۔ **ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء**

وحی کے پہلے تجربے میں یہ حالت اس لیے طاری ہوئی تاکہ وحی کو کشف، الہام اور رویاء سے تمیز کیا جاسکے۔ ایسا نہ ہو کہ مرسل تمثیل اور معنی کے ابہام میں رہے۔ بلکہ اسے معلوم ہو یہ تخیل نہیں حقیقت ثابتہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھنے سے انکار، فرشتے کا اصرار اور بار بار بھینچنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ پیغمبر پر روشن ہوجائے کہ یہ منظر وہم کی پیداوار نہیں بلکہ حقیقت حال ہے۔ معترض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوّت کو دولت اور طاقت کی آرزو پر مبنی سمجھتے رہے اور اس حقیقت کو ہمیشہ نظر انداز کرتے رہے کو طوفان خیز شباب میں جو معرکوں اور ہنگاموں کا زمانہ ہوتا ہے، ایک شخص خاموش اور پرامن متاہل زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کا سینہ چالیس برس کی عمر کے بعد کیونکر شور انگیز امنگوں کی جولانگاہ بن گیا۔ حالانکہ عمر کا یہ حصہ بڑھاپے کی طرف پہلا قدم سمجھا جاتا ہے۔ اس عہد میں جوانی کی حرارت پیری کی سرد ہواؤں سے کم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اگر تم گرم ملک کے باشندے ہو اور تمہاری عمر چالیس کو پہنچ چکی ہے تو اپنے تجربے پر قیاس کرو کہ عنفوان شباب میں تمہارا سینہ کس طرح محشر خیز امنگوں کی جولانگاہ تھا۔ دولت اور طاقت کی حرص نے کس طرح ایک آگ لگا رکھی تھی۔ امیدوں کے سراب نے آنکھوں کے سامنے بہشت کے ہوش ربا جلووں کی دنیا آراستہ کر رکھی تھی۔ پھر جب چالیسویں برس کی عمر ہو چکی تو وہ سب جنت نگاہ نظارے یک بیک غائب ہو گئے اور مایوسیوں کا لق ودق صحرا منہ پھاڑے سامنے نظر آنے لگا۔ اگر تم اس عمر کو نہیں پہنچے تو اس عہد کی خزاں آفرینیوں کا درد بھرا افسانہ کسی سن رسیدہ سے پوچھو۔ گلستان کے مصنف سعدیؒ سے دریافت کرو جس نے جذبات خیز جوانی کو خیرباد کہتے اور برفبار بڑھاپے میں قدم رکھتے ہوئے کس حسرت سے ''چہل سال عمر عزیزت گزشت'' کا غیر فانی مصرعہ کہہ کر اس عہد کی سرد مزاجیوں کی طرف حکیمانہ اشارہ کردیا ہے۔ اس لیے چالیس برس کے بعد خاموش زندگی بسر کرنیوالے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ شیطانی امنگوں اور باطل امیدوں پر مبنی نہ تھا بلکہ وحی ربانی انہیں غارِ حرا کی تنہائیوں سے نکال کر میدان وغا وغزا میں لے آئی تھی۔